رسول اقدس ﷺ بعد ایجاد ہوئے ہیں: انہیں اپنے عقائد اور یومیہ، ماہانہ اور سالانہ عبادتوں کی فہرست سے نکال دیں۔ یہی امت کے لیے پائیدار اتفاق واتحاد کا باعث اور ترقی وکامرانی کا منبع ہے۔

ایسے مواقع پر تبلیغی جلسوں، میڈیا اور لٹریچر کے ذریعے رسالت مآب ﷺ کی عظمت شان کو اجاگر کرنا بھی نہایت مفید اور قابل تحسین اقدامات ہیں؛ جن سے لوگوں کے ایمان اور محبت نبوی میں اضافہ ہوتا ہے۔

توہین رسالت کے مجرم کو بلاتاخیر قتل کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔ اسلام کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا؛ لیکن توہین رسالت کے کیس میں انفرادی طور پر بھی کوئی غیور مسلمان یہ کارنامہ انجام دے تو امت اسلامیہ نے ہمیشہ اس پر خراج تحسین وعقیدت پیش کیا ہے اور یہ اس کی بہت بڑی سعادت ہے۔

﴿۱﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا فیصلہ سننے کے بعد مقدمہ دائر کرنے والے کا سر قلم کردیا۔

﴿۲﴾ چھٹی صدی ہجری میں امیر المؤمنین نور الدین زنگیؒ نے قبر نبوی کی بے حرمتی کرنے کی کوشش کرنے والے نصرانی سازشیوں کو قتل کردیا اور قبر شریف کے گرد گہرا کھود کر سیسہ کا مضبوط حصار قائم کیا۔

﴿۳﴾ 1929 لاہور میں ''رنگیلا رسول'' کے مصنف راج پال کو غازی علم الدین شہیدؒ نے موت کے گھاٹ اتاردیا۔

﴿۴﴾ 1933 سندھ کے مؤرخ نتھو رام نے میں گستاخی کی، اسے غازی عبدالقیوم سندھی شہیدؒ نے قتل کردیا۔

﴿۵﴾ ایک انگریز میم شان رسالت میں گستاخی کی مرتکب ہوئی تو مسلمان باورچی نے اسے خون میں نہلادیا۔

﴿۶﴾ 1937 ایک وٹرنری ڈاکٹر نے توہین کا ارتکاب کیا، غازی مرید حسین چکوالی شہیدؒ نے اس کا کام تمام کردیا۔

﴿۷﴾ 1 اکتوبر 2005 ڈنمارک کے ایک اخبار میں توہین آمیز خاکے شائع ہوئے۔ عامر چیمہؒ نے ایڈیٹر پر حملہ کیا۔ 4 مئی کو اسے تشدد کرکے شہید کیا گیا۔ کفر نواز حکمرانوں نے خاموشی سے جنازہ جرمنی سے پاکستان لایا۔ دھوکہ دہی کرتے ہوئے شام 4 بجے نماز جنازہ کا اعلان کردیا؛ لیکن 11 بجے صبح ہی ساروکی میں سپرد خاک کرایا گیا۔

﴿۸﴾ PPP کے گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے انسداد توہین رسالت کے ایکٹ کو ''کالا قانون'' کہا، تو اسی کے باڈی گارڈ ..... نے فائرنگ کرکے اس کا منہ کالا کردیا اور غازی کا اعزاز حاصل کیا۔ وکلاء برادری میں اس کی وکالت کے لیے مسابقت ہوئی اور مقتول کے وارث وکیل کی تلاش میں دربدر کی خاک چھانتے رہ گئے۔

عصر حاضر کے بعض مشہور مجرم برطانیہ، امریکہ وغیرہ کی خصوصی سکیورٹی تلے خوف وذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ پھر بھی کافر حکومتوں کا پروٹوکول دوسرے بیمار دلوں میں بھی توہین رسالت کے شوق کو فروغ دے رہا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

درس قرآن مجید

تراث رحمانی در فوائد قرآنی

ڈاکٹر اسماعیل محمد امین۔ اسلام آباد

قال تعالی: ﴿وإذ واعدنا موسىٰ أربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعده وأنتم ظلمون ۞ ثم عفونا عنكم من بعد ذلك لعلكم تشكرون ۞﴾ [البقرة/٥١-٥٢] "اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا، پھر تم لوگوں نے اس کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنالیا جبکہ تم ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس کے بعد تمہیں معاف کردیا تاکہ تم شکرگزاری کرو۔"

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

سابقہ آیات مبارکہ سے بنی اسرائیل پر کی ہوئی نعمتوں کی تفصیل جاری ہے۔ زیر تفسیر آیتوں میں مزید نعمتوں کا تذکرہ اور ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کا ذکر ہو رہا ہے۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے پنجہ استبداد سے نجات پا کر جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے تو وہ اب ایک آزاد قوم تھے؛ جن کے لیے زندگی گزارنے کے قانون اور دستور العمل کی ضرورت تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کی غرض سے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور بلا لیا۔ ارشاد فرمایا: ﴿وإذ واعدنا موسىٰ أربعين ليلة﴾ (واعدنا) میں ایک اور متواتر قراءت ہے: (وَعَدْنا) اور یہ ثلاثی مجرد کا باب ہے۔ جبکہ (واعدنا) باب مفاعلہ سے ہے؛ جس میں طرفین کے اشتراک کا معنی پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کو یہاں اشتراکی معنی کی وجہ سے اشکال ہوا ہے کہ اللہ کا وعدہ یک طرفہ ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے بندو کے ساتھ نعمتوں کا وعدہ کرتا ہے، جیسے کہ فرمایا: ﴿وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم ......﴾ [النور ٥٥]، ﴿وإذ يعدكم الله إحدى الطائفتين﴾ [الأنفال ٧] جبکہ (واعدنا) کا اشتراکی معنی عام طور پر دو مخلوق کے درمیان ہوتا ہے۔

اب اللہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات دینے کا وعدہ واضح ہے؛ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کیا وعدہ کیا تھا؟ واضح نہیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء قراءت نے (واعدنا) کی قراءت کا انکار کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء مفسرین کہتے ہیں کہ دونوں قراءتیں متواتر ثابت ہیں۔ اور وہ مذکورہ اشکال کا جواب درج ذیل وجوہ سے دیتے ہیں:

ا۔ باب مفاعلہ کا مجرد کے معنی میں بھی استعمال ہونا عربی زبان میں عام ہے، جیسے عافاکَ اللهُ، داویت العلیلَ، عاقبت اللصَّ وغیرہ۔ان مثالوں میں عمل صرف ایک جانب سے ہے تو یہاں بھی (واعدنا) بمعنی (وعدنا) ہے، دونوں قراءتیں معنی میں متفق ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قبول کیا اور رضامندی سے اتباع کی، اسی معنی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھی وعدہ قرار دیا ہے۔

حافظ ابن جریرؒ اسم (موسیٰ) کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قبطی زبان میں (مو) پانی کو اور (سا) درخت کو کہا جاتا ہے۔ جب ماں نے بچے کو فرعونیوں کے خوف سے صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں پھینکا تو وہ قصر فرعونی کے قریب کچھ درختوں کے پاس رک گیا اور آسیہ کی لونڈیوں نے اٹھالیا۔اسی مناسبت سے موسیٰ نام رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سلسلہ بنی اسرائیل کے سب سے زیادہ مشہور، جلیل القدر رسول اور اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ کی بہن مریم اور بھائی ہارون علیہ السلام دونوں آپ سے بڑے تھے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اسراء کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو آپ نحیف، پتلے جسم کے آدمی تھے، لگتا تھا کہ آپ ازدشنوءَ (یمنی قبیلے) کا ایک شخص ہے۔ [صحیح البخاری ح۳۳۹۴] اور (موسیٰ) عَلَم اور عجمیّت کی بنا پر غیر منصرف ہے۔

(أربعین لیلة) دوسرا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔ یہاں دن کے بجائے رات کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رات، دن سے پہلے آتی ہے۔اکثر مفسرین کے نزدیک چالیس راتوں سے مراد ماہِ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔

زیر تفسیر آیت مبارکہ کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر دس راتوں کا اضافہ کیا گیا: ﴿وواعدنا موسیٰ ثلٰثین لیلة وأتممناها بعشر فتم میقات ربه أربعین لیلة﴾ [الأعراف ۱۴۴] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے منتخب ستر اشخاص کو ساتھ لے کر کوہ طور تشریف لے گئے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کردیا۔لیکن آپ کی روانگی کے بعد بنواسرائیل نے ایک برے آدمی "سامری" مسمّیٰ (موسیٰ بن ظفر) کے ہاتھوں بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔

حافظ ابن جریرؒ نے اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بعض آثار روایت کی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے بھاگ رہے تھے تو قبطیوں سے سونے چاندی کے کچھ زیورات عاریتاً لے آئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی کوہ طور روانگی کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا: جو زیورات تم فرعونیوں سے لے آئے ہو، یہ تو مال غنیمت ہے، اس کو جمع کراؤ' تا کہ آسمان سے آگ آکر کھا لے۔ انہوں نے کسی جگہ جمع کر دیا تو سامری نے انہی زیورات سے ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنا کر اندر وہ مٹی ڈال دی جو اس نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کر رکھی تھی۔ اب اس بچھڑے سے آواز نکلنے لگی۔ اسے دیکھ کر جہلاء بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی اور کہنے لگے: ﴿هذا الهكم وإله موسى فنسي﴾[طه ٨٨] ''یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی لیکن بیچارہ موسیٰ علیہ السلام بھول گیا ہے۔'' حضرت ہارون علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے۔ جس کی تفصیل الأعراف ١٤٨۔١٥٢ طـه ٨٨۔ ٩٨ میں آئی ہے۔ یہی مضمون زیر تفسیر آیت مبارکہ میں اجمالاً بیان ہوا ہے۔

﴿ثم اتخذتم العجل من بعده وأنتم ظالمون﴾ (ثم) عطف اور تأخیر کے لیے ہے۔ (اتخذتم) تم نے اختیار کر لیا، بنا لیا (العجل) بچھڑا، گائے کے بچے کو عجول بھی کہا جاتا ہے، اس کی جمع (عجاجیل) ہے اور اس کی مادہ (عجلة) ہے۔ (اتخذتم) مفعول ثانی (الهاً) محذوف ہے۔ یعنی تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ (من بعده) یعنی موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور جانے کے بعد (وأنتم ظالمون) یہ جملہ حالیہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہاں پر بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے ان کی مزید مذمت ہو رہی ہے کہ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود جان بوجھ کر شرک کیا، اور اس میں وہ معذور نہیں تھے۔ (ظلم) اصل میں کسی چیز کو اصل جگہ سے ہٹا کر غیر مناسب جگہ پر رکھنے کو کہا جاتا ہے۔

عبادت خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پس اس کو غیر اللہ کے لیے صرف کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿إن الشرك لظلم عظيم﴾ بعض آثار میں ہے کہ اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ صرف بارہ ہزار افراد رہ گئے تھے، گمراہوں کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ تھی۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں: حضرت ہارون علیہ السلام کے علاوہ باقی سب راہ راست سے ہٹ چکے تھے۔ واللہ أعلم

بنی اسرائیل کے اس صریح جرم کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں توبہ کراتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے اس طریقے سے توبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے انہیں معاف فرما دیا۔

﴿ثم عفونا عنكم من بعد ذلك﴾ (عفونا) کا مصدر (عفو) ہے، اور یہ ''عفت الريح الأثر'' (ہوا نے نشان ختم کر دیا) سے ماخوذ ہے، جو ختم اور زائل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی گناہوں کو مٹانا۔ ''عفو'' کلماتِ اضداد میں سے ہے، یعنی یہ کبھی مٹانے کے متضاد معنی یعنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے؛ ارشادِ ربانی ہے:

﴿حتی عفوا﴾[الاعراف ۹۵] "یہاں تک کہ وہ زیادہ ہوئے۔" ﴿یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو﴾ [البقرة ۲۱۹] "العفو" یہاں اضافی اور حاجت سے زائد مال کو کہا جاتا ہے۔ زیرِ تفسیر آیت مبارکہ میں (العفو) 'معاف کرنے' کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں لفظ (غفران) بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عفو اور غفران میں یہ فرق ہے کہ 'عفو" سزا دینے سے پہلے اور بعد بھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ "غفران" بغیر سزا کے ہوتا ہے۔

﴿من بعد ذلک﴾ یعنی تمہارے بچھڑے کی پرستش کے بعد۔ ﴿لعلکم تشکرون﴾ (لعل) اصل میں امید اور توقع کے معنی میں مستعمل ہے، دوسرا معنی شک سے پاک ہونا بھی ہے، جو یہاں پر مناسب ہے۔ اور یہ (لامِ کَیْ) یعنی تعلیل کے معنی میں ہے۔ "اللہ نے تمہیں معاف کیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔" (الشکر) اصل لغت میں ظاہر ہونے کو کہا جاتا ہے اور یہ (دابة شکور) سے مأخوذ ہے۔ یہ اس جانور کو کہا جاتا ہے کہ اسے جتنی مقدار میں چارہ کھلایا جاتا ہے، اس سے زیادہ اس میں طاقت اور موٹاپا ظاہر ہو۔ "شکر" کی حقیقت یہ ہے کہ منعم اور محسن کی تعریف کرنا اور اپنے اوپر کیے ہوئے احسان اور نعمت کا اظہار کرنا۔ اس کے مقابل "کفران نعمت" ہے۔

اور شکر کا تعلق دل سے بھی ہے کہ انسان کے دل میں یہ یقین اور ایمان پیدا ہو کہ نعمت صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اور زبان سے بھی اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا ہوتا ہے؛ جب یہ فخریہ طور پر نہ ہو۔ انسان کے اعضاء و جوارح سے منعم کی اطاعت کرتے ہوئے بھی شکر ادا ہوتا ہے۔ اسی معنی کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

أفادتکم النعماءُ منی ثلاثةً   یدی ولسانی والضمیرَ المحجبا

ترجمہ: "تمہارے احسانات و اکرامات نے میری تین چیزوں کو تمہارا غلام بنا دیا: ہاتھ، زبان اور پوشیدہ دل" [انظر التفاسیر: ابن جریر، القرطبی، الشوکانی، ابن العثیمین، الفرقان]

دونوں آیتوں سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبرا: ﴿واعدنا موسیٰ﴾ میں (واعدنا) باب مفاعلہ کے ساتھ آنے کی توجیہ میں یہ بات گزری تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا تو انہوں نے اسے فوراً قبول کرلیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل میں پہل کرنے والے تھے۔ [الطبری] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی ملاقات کے لیے اپنی قوم سے منتخب 70 آدمی لے کر جا رہے تھے، آپ انہیں پیچھے چھوڑ کر کوہ طور پہنچ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا: کیوں اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ آئے؟

﴿قال هم أولآء على أثري وعجلت إليك رب لترضى﴾ [طہ۸۳-۸۴] "وہ میرے پیچھے آرہے ہیں اور میں تیری طرف جلدی آ گیا ہوں اے میرے رب! تاکہ آپ خوش ہوں۔" معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کے حصول اور نیکی کے کاموں میں جلدی کرنا اور اول وقت میں عبادت کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے۔

فائدہ نمبر۲: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی رات میں تورات عطا کرنے کے بجائے چالیس راتوں کا وعدہ کر کے کوہ طور بلا کر عطا فرمائی۔ اس میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟ شیخ ابن العثیمینؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے 30 راتوں کا وعدہ کیا، پھر 10 دن اضافے کے ساتھ 40 راتیں کر دیں۔ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہو سکتی ہے، جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔" [ابن العثیمین]

یہاں سے صوفیوں نے بعض عبادات میں بغیر کسی دلیل کے اپنی طرف سے کیے ہوئے اضافے اور تحدید اوقات کے لیے استدلال کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ روزہ میں چالیس دن تک وصال کرنا (یعنی رات کو بھی روزہ رکھنا) سب سے افضل روزہ ہے۔ [القرطبی] لیکن اگر وصال کے بارے میں شرعی نصوص کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ وصال درست عمل نہیں ہے۔ امام قرطبیؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ثم اتموا الصيام إلى الليل﴾ [البقرة۱۸۷] کی تفسیر میں علماء کے اقوال اور دلائل کا تفصیلی بحث کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ وصال کا روزہ کوئی ثواب کا کام نہیں ہے؛ کیونکہ رات اصل میں شرعی روزے کا محل نہیں ہے۔ [انظر تفسير القرطبي ٢/ ٣٢٩] باقی کسی عبادت میں چالیس دن یا کسی اور کمیت و کیفیت کی مشروعیت کے لیے بھی مستقل طور پر کتاب وسنت سے دلیل چاہیے۔ کیونکہ ہمارا دین ہر معاملے میں کامل اور مکمل ہے۔ عبادت اپنی اصل مشروعیت کے لحاظ سے جہاں واضح ہے، وہاں اس کا طریقہ اور کیفیات ادا بھی واضح ہے۔ ہمیں کسی بھی جانب اضافہ کی گنجائش نہیں۔ ہمارا کام صرف اتباع ہے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے: "اتبعوا و لا تبتدعوا فقد كفيتم"

فائدہ نمبر۳: آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کی انتہائی حماقت، حد سے زیادہ بغاوت اور جہل مرکب کی دلیل ہے کہ انہوں نے خود بنائے ہوئے بچھڑے اور بت کو **اللہ** کا مقام دے کر پوجا شروع کی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کیا کہ راستہ بھول گیا ہے۔ والعياذ بالله - یہ واقعہ ان کی جہالت کی پہلی مثال نہیں ہے؛ بلکہ وہ جب فرعونیوں سے نجات پا کر آتے ہوئے ایک بت پرست قوم کے پاس سے گزرے، تو ان کی بت پرستی کو پسند کر کے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے: ﴿اجعل لنا الهاً كما لهم الِهةٌ﴾ "جیسا ان کا معبود ہے ہمارے لیے بھی کوئی (مادی) معبود مقرر کریں!" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا ﴿إنكم قوم تجهلون﴾ "تم ایک جاہل قوم ہو۔" [ابن العثیمین]

جولوگ گندے وخلافِ شرع کلچر کی نقالی کرتے اوراس کی دعوت دیتے ہیں، ان میں "قوم تجھلون" کی صفات موجود ہیں۔

فائدہ نمبر۴: دونوں آیتوں میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ "شرک" سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کوڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ وأنتم ظالمون ﴾ [ابن العثیمین] اور فرمایا ﴿ إن الشرک لظلم عظیم ﴾

فائدہ نمبر۵: دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی وسیع بردباری اور عفو و درگزر کی بھی دلیل ہے کہ بنی اسرائیل کے انتہائی جاہلانہ رویے کے باوجود انہیں توبہ کرنے کی توفیق دی اور انہیں معاف بھی کر دیا۔ [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۶: گناہ کا ارتکاب ہونے کے بعد توبہ کی توفیق ملنا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ پھر اگر بندے کو یہ پتہ چلے کہ اللہ نے اس کی توبہ قبول فرما کر اس کا گناہ معاف کیا ہے؛ تو یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور اللہ کی ہر نعمت واجب شکر ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ ثم عفونا عنکم من بعد ذلک لعلکم تشکرون ﴾ جب زوالِ نقمت مستوجب شکر ہے؛ تو حصول نعمت من باب اولیٰ مستوجب شکر ہے۔ [ابن العثیمین]

شکر کے مفہوم میں علماء اور سلف سے مندرجہ ذیل اقوال منقول ہیں:

۱۔ منعم کا شکر ادا کرنے میں اپنی تقصیر وکوتاہی اور عاجزی کا اعتراف شکر کہلاتا ہے۔ اس بارے میں قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے: حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اعملوا آل داود شکراً ﴾ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ تعالیٰ! میں کس طرح آپ کا شکر ادا کروں، جبکہ شکر کی توفیق بھی آپ کی نعمت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی آپ نے مجھے پہچان لیا اور میرا شکر ادا کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام فرمانے لگے: اے میرے رب! آپ اپنی سب سے مخفی اور چھوٹی ایک نعمت کی طرف میری رہنمائی فرمائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ایک سانس لیں تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سانس لی پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رات دن کوئی شخص اللہ کی اس نعمت کا صرف شمار ہی کر سکتا ہے؟!" جواب دیا: نہیں۔

۲۔ نعمت کی شکر گزاری اس کا اعتراف اور تذکرہ کرتے رہنا بھی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وأما بنعمة ربک فحدث ۞ ﴾ [الضحیٰ]

۳۔ ظاہری اور سری ہر قسم کی نافرمانیوں سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے اطاعت گزاری میں انتھک محنت کو شکر کہا جاتا ہے۔ [القرطبی، البغوی] کیونکہ اجتناب معاصی اور توفیق اطاعت بھی اس کی نعمت ہے۔

فائدہ نمبر۷: زیر تفسیر آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہود کی حالت بیان کی کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات ہونے کے باوجود انہوں نے تکذیب اور انبیاء کرام کی نافرمانی کرتے ہوئے ضلالت کا راستہ اختیار